تحریکِ آزادی اور اُردو کے چند نثر نگار

شازیہ پروین

Shazia Parveen

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

منزہ منور سلہری

Munazza Munawar Sulehri

Assistant Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Urdu prose writers have played very vital role in the struggle for independence. The prose writers laid the foundation of two nation theory. Sir Syed Ahmad Khan adopted in none comparing attitude in this respect.He and his colleague as social leader was the langue of the Muslim in India. He Held Various Muslim Educational conferences and Ali Garh Muslim University to help Muslims in uniting and becoming national conscious. This paper reviews their efforts.

مسلمان اس زرخیر خطے جو دریاؤں کی سرزمین ہے پر ایک ہزار سال تک حکمران رہے۔ قطب الدین ایبک سے لے کر بہادر شاہ ظفر روم تک دہلی کا تخت صرف مسلمانوں کا مقدر بنا رہا اور کئی سو سال تک دہلی کے آس پاس کے راجے مسلمانوں کے ماتحت رہے بلکہ مغلیہ سلطنت جب اپنے بامِ عروج پر تھی تو پورے ہندوستان پر مسلمانوں کا راج تھا، ہر طرف خوش حالی تھی، رعایا اپنے بادشاہ سے خوش تھی۔ بالخصوص شاہ جہاں کا دور اس خوش حالی کی نمایاں مثال ہے۔ قانون قدرت ہے ''ہر کمال لا زوال'' مسلمان حکمرانوں کی نااہلی، لذت پرستی اور اقتدار کی خاطر خانہ جنگی نے ان کو اتنا کمزور بنا دیا کہ انگریزوں نے ان پر یلغار کی تو یہ اُس کی طاقت کا سامان نہ کر سکے اور ان کی بادشاہت کے مضبوط قلعے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور اقتدار انگریز کے ہاتھ چلا گیا۔ مسلمان جو صدیوں سے حکمران چلے آ رہے تھے ایک ساعت میں محکوم بن گئے۔ اُن پر غلامی اور بغاوت جیسے الزامات لگا کر مجرم قرار دے دیا

گیا۔ یوں کہہ لیجیے کہ:

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے
ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا

انگریز کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد برصغیر کا سیاسی منظر نامہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جو میرٹھ چھاؤنی سے شروع ہوئی جس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو برابر شریک تھے، کچل دی گئی اور تمام تر ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی گئی اور بغاوت کے الزام میں مسلمان زیرِ عتاب رہے۔ ہر شعبہ ہائے زندگی سے مسلمانوں کو نکال دیا گیا، مسلمان ہونا جرم قرار پایا اور اس جرم کی پاداش میں دہلی کی گلیاں مسلمانوں کی لاشوں کے ڈھیر سے دبی نظر آئیں، ان کی جائیدادیں ان سے چھین لی گئیں، ملازمتوں سے نکال دیا گیا، تعلیمی ادارے ان پر بند کر دیے گئے حتیٰ کہ لفظ مسلمان کی اتنی تحقیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ بقول ولیم میور:

''مسلمان ہونا جرم قرار پایا میں نے دیکھا کہ کوئی بلا آسمان سے
ایسی نہیں اُتری جس نے مسلمانوں کا گھر نہ دیکھا ہو۔''

ایسے حالات میں جب مسلمانوں کیلئے کوئی سہارا نہ تھا چشمِ فلک نے بھی طوطا چشمی اختیار کر لی تھی تو مسلمانوں کے ڈوبتے جہاز کو بحفاظت بچانے کی ذمہ داری سرسید اور اس کے رفقاء نے اپنے سر لی۔ ہر شعبہ ہائے زندگی جو زوال پذیر تھا اس میں بہتری لانے کے لیے تحریک علی گڑھ کے پلیٹ فارم پر سرسید کے رفقا اکٹھے ہوئے۔ مقاصد طے کیے اور پھر مقاصد کے حصول میں بہتری لانے کے لیے دن رات ڈٹ گئے۔ ان ادبی خدمات میں سرسید اور اس کے رفقا نے مل کر ایسا اسلوب اپنایا اور ایسی تحریریں عمل میں لائیں جن کی بدولت اُردو ادب کو نئی جلا ملی اور ادب ایک نئی طرز سے آشنا ہوا بلکہ لوگوں کے اندر بھی آزادی، کامیابی اور حریت کا ایک ولولہ پیدا ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک قد آور پہاڑ بن گیا جو کسی بھی غلامی کی زنجیر کو توڑنے کے لیے نہ صرف کافی تھا بلکہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کیلئے بھی طاقت لیے ہوئے تھا۔

لوگوں میں آزادی کی تحریک پیدا کرنے کے لیے اُردو ادب کا کلیدی کردار ہے۔ تحریک آزادی اور اُردو نثر کی ترقی کا یہ ایک سنہری دور تھا جس میں سرسید اور ان کے رفقاء کار نے اُردو نثر نگاری میں ایک خاص رنگ پیدا کیا۔ سرسید کے کہنے پر اس کے ساتھی ادیبوں نے نہایت سادہ آسان مگر بامقصد ادبی نثر کو تحریر کیا جس کو پڑھ کر لوگوں میں معاشرتی شعور کے ساتھ ساتھ سیاسی شعور بھی بیدار ہوا اور لوگ ایک ایک کر کے مقصد کے حصول کے لیے اکٹھے ہونا شروع ہوئے۔ بقول فاروق ملک:

''برصغیر کے عوام کبھی بھی اس قابل نہ ہوتے کہ انگریز سے آزادی
حاصل کر لیں اگر اُن کے پاس تلوار کی طاقت کے ساتھ ساتھ قلم کا
ہتھیار نہ ہوتا۔''(۱)

سرسید نے ادبی اعتبار سے ایک مکمل مکتبہ فکر تخلیق کیا۔ادبی میدان میں ایک نئے انداز اسلوب اور طرز نگارش کی بنیاد ڈالی۔آپ نے اپنے ساتھی ادیبوں اور قلم کاروں کو مشورہ دیا کہ وہ:

.....ادب کو سادہ ترین زبان میں تخلیق کریں تا کہ عوام با آسانی سمجھ سکیں اور اثر قبول کریں۔

.....ایسا ادب اور فن تخلیق کریں جو با مقصد ہو اور عوام میں اُردو زبان، قومی جذبہ اور شعور کو بیدار کرے یعنی ادب برائے ادب نہیں بلکہ ادب برائے تحریک آزادی اور اُردو زبان کے فروغ کو مدنظر رکھا جائے۔

سرسید خود ایک بہت بڑے انشا پرداز، محقق، مورخ اور اعلیٰ پائے کے سیاسی بصیرت کے حامل شخص تھے۔آپ نے مختلف موضوعات پر قابل قدر کتب تحریر کیں جو اُردو ادب کا ایک اہم سرمایہ ہے۔مولانا شبلی نعمانی، مولانا ذکاء اللہ، نواب محسن الملک وغیرہ نے سیرت النبیؐ، معاشی حالات، معاشرتی مسائل، سیاسی جدوجہد اور اخلاقی معاملات پر طبع آزمائی کی۔مولانا الطاف حسین حالی کی قومی نظمیں اور تنقیدی مضامین اپنے نوعیت کے اعتبار سے اُردو زبان و ادب میں اہم اضافہ تھے۔اس تمام جدوجہد کا مقصد اُردو ادب کے ذریعے مسلمانوں کی بہتری اور فلاح تھا اور اس اندھیرے، مایوسی اور غلامی میں ڈوبی قوم کو خود شناسی، خود آگاہی اور تحریکِ آزادی تک لانا مقصود تھا جس میں یہ لوگ پوری طرح کامیاب ہوئے۔

علی گڑھ کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی شروع ہوئی تو یہ تحریک صرف سیاسی نہیں تھی بلکہ اس میں ہر شعبہ ہائے زندگی میں بہتری اور ترقی کا مقصد شامل تھا۔کہنے کو علی گڑھ یوپی کا ایک چھوٹا سا شہر تھا مگر دہلی شہر سے انتہائی قریب ہونے کی بدولت سیاسی معاملات اور حرکات وسکنات سے واقفیت بہت جلد ہو جاتی تھی اور اس واقفیت کی بدولت آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر لیا جاتا تھا۔

تحریکِ آزادی اور اُردو زبان کی بات کی جائے تو یقیناً یہ تحریک علی گڑھ کے بغیر تصور بھی نہیں کی جا سکتی اور اگر تحریک علی گڑھ کا ذکر چلے تو سرسید احمد کے بغیر ادھورا رہ جائے گا بلکہ یوں کہاں جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ سرسید احمد خاں تحریکِ آزادی اور اُردو زبان، تحریک علی گڑھ ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ان کے بہت اسرار پر مولانا الطاف حسین حالی نے مشہور زمانہ ''مسدس حالی'' لکھی جس کے بارے میں سرسید احمد کہا کرتے تھے کہ یہ میری بخشش کا ذریعہ ہے۔سرسید اور اس کے ساتھیوں کا دور اُردو ادب میں ایک مکمل دبستان تسلیم کیا جاتا ہے۔اُردو نثر کا سہارا لے کر مسلمانوں میں مطلوبہ جذبات کو ابھارا اور قومی شعور سے ہم کنار کیا اور ان میں احساسِ زیاں پیدا کیا۔بقول ناشر نقوی:

''جس طرح آزادیٔ ہند کی تحریک میں دیگر زبانوں کے ادب نے

بھرپور حصہ لیا وہاں اُردو زبان بھی کسی سے پیچھے نہ رہی۔''(۲)

ڈپٹی نذیر احمد بھی سرسید احمد خاں کی ٹیم کے اہم کردار ہیں۔ اُردو ادب کے پہلے ناول نگار ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی رویوں اور روایات سے جس قدر اِن کی آشنائی تھی کسی اور کی نہ تھی۔ انھوں نے بھی تحریکِ آزادی اور اُردو زبان میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے ایسی ایسی تحریریں مہیا کیں جن کا ثانی پوری اُردو تاریخ میں نہیں ملتا۔

''ابن الوقت'' اور ''مراۃ العروس'' جیسے شاہکار ناول جو سماجی زندگی کی عکاسی سے بھرپور ہیں معاشرتی شعور کا ذریعہ بھی ہیں اور یہی تمدن کی تمیز اُن کے افکار کو لوگوں میں منتقل کر کے خود آگاہی اور خود شناسی کی حد تک لے جاتی ہے جس سے انسانی ذہنوں میں ایک لہر بیدار ہوتی ہے جو انگریز جیسی ظالم جابر قوم کو بھی اُن کی طاقت سمیت بہا لے جاتی ہے اور جس کا حاصل آزادی اور اُردو زبان کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ کئی لوگوں کی اُمیدیں بر آتی ہیں، کئی انسانوں کو ذہنی کسک سے نجات ملتی ہے اور کئی باشعور انسان اپنی ذات کے نجی جہنم سے نجات پاتے ہیں تو اس کا سہرا اُردو ادب اور اسی روح پرور اُردو نثر کے سر ہے۔

اُردو زبان ہندوستان کی پہلی ایسی زبان ہے جس نے تحریکِ آزادی میں اپنی بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ اُردو زبان کے ادیبوں نے اپنے قلم کے زور سے آزادی کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا اور وطن کی آزادی کے لیے اُردو زبان کی قربانیاں ناقابلِ فراموش ہیں۔ بقول شارب ردولوی:

''ہندوستان کی جنگِ آزادی دو اسلحوں سے لڑی گئی، ایک انہا اور دوسری اُردو زبان۔''(۳)

جن دنوں تحریکِ آزادی عروج پر تھی وہ اُردو کے لڑکپن کا دور تھا۔ اگر لڑکپن نہیں تو لڑکپن اور جوانی کا دور کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اُردو ادب میں رواج کے مطابق جو موضوعات زیرِ قلم تھے اُن میں جدت لانا اور حالات سے ہم آہنگی پیدا کرنا اپنی جگہ مگر اس ادب کو مضامین کی صورت میں نثری سطح پر اس لطیف مقام پر لے جانا سچ میں ایک جوہرِ کامل کا نتیجہ ہے جو ہر لحاظ سے محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا ذکاء اللہ، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا الطاف حسین حالی میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

سرسید کے حلقہ احباب سے نکل کر تحریکِ آزادی کا یہ تصور آگے ادیبوں کو منتقل ہوا۔ بالخصوص برطانوی جبر اور استعماریت کے خلاف راجندر سنگھ بیدی کے افسانوی ادب نے بھی لوگوں کو اس قدر شعور دیا کہ حکومت نے اس سے خوف زدہ ہو کر اس کا تمام تحریری مواد ضبط کر لیا۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں ایسے بہت سارے واقعات تحریکِ آزادی اور اُردو زبان کا حصہ رہے اور ان کی بدولت لوگوں کے ذہنوں کو اِک نئی جلا ملی۔

ویسے تو اُردو ادب کی تمام اصناف اپنی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں مگر اُردو نثر نگاروں نے اپنی

تمام تر صلاحیتوں کو ملکی آزادی اور اُردو زبان کی خاطر یوں بروئے کار لائے کہ ملک آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوا۔ گوپی چند نارنگ اپنی کتاب ''ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور شاعری'' میں لکھتے ہیں:

> ''جس طرح تحریکِ آزادی زور پکڑتی گئی اُردو ادب کے تیور بھی نکھرتے گئے۔''(۴)

تحریکِ آزادی کے دوران روزانہ کی بنیاد پر پیش آنے والے واقعات حکومتِ وقت کی طرف سے جبری سزائیں قلم کاروں، شاعروں اور نثر نگاروں کو نئے نئے موضوعات سے روشناش کراتیں اور ایک نئے ملی جذبے کے ساتھ لکھنے میں مدد و معاون ثابت ہوئیں۔ دُنیا کی تمام زبانوں میں ادب لکھا جا رہا ہے اور پہلے سے لکھا موجود بھی ہے مگر بہت کم زبانوں کا ادب ایسا ہے جس نے اس حد تک تعمیری کام کیا ہو کہ قوموں کو آزادی دلوادی اور اُس دور کے زبان و ادب کے ادیبوں نے روشنائی کی جگہ اپنا خون جگر دیا پھر اس خون کی بہار جب آئی تو اپنے ساتھ نہ صرف گلِ لالہ لے کر آئی بلکہ صدیوں کی غلام قوم کے لیے آزادی اور اُردو زبان کی صورت میں سب سے بڑا تحفہ لے کر آئی۔

مولانا ظفر علی خاں، محمد علی جوہر اور ابوالکلام آزاد جیسے اعلیٰ پائے کے ادیب جو نہ صرف اپنے اپنے اخبار کے مالک تھے بلکہ اُن کے مدیر بھی تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کی تحریریں اتنی بے باک ہوتی تھیں کہ حکومت وقت اثر قبول کیے بنا نہ رہتی اور دوسری طرف مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کراچی میں حکومت کے خلاف اتنا دلیرانہ خطاب کیا کہ اُن کو گرفتار کر لیا گیا مگر اُن کا قلم آزادی اور اُردو زبان کے لیے لکھنے سے نہ رُک سکا۔ آزادی کی اس جدوجہد میں کئی پڑاؤ آئے جو اس تحریک کو چابک لگاتے گئے مگر جلیانوالا باغ کا واقعہ ایک گہرا زخم لگا گیا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے جلیانوالا باغ میں ایک جلسہ عام کے دوران اُن پر جنرل ڈائر نے گولیاں برسانے کا حکم دیا۔ بقول Furneaux نے اپنی تصنیف ''Massacre of Amritsar'' میں تحریر کیا:

> ''سرکاری اندازے کے مطابق ۳۹۷ افراد قتل ہوئے اور ۱۲۰۰ (سو) زخمی ہوئے۔ بچوں اور خواتین سمیت عوام پر ۱۶۰۰ راؤنڈ مسلسل چلائے گئے جس نے تحریکِ آزادی میں تیزی سے مقاصد کے حصول کے لیے کوششیں کرنے کا راستہ دکھایا۔''(۵)

اُردو ادب کے اندر ہر ادیب ہر شاعر نے اپنے اپنے انداز میں اس ظالمانہ اور فاسقانہ منظر کی تصویر کشی کی ہے جو رہتی دُنیا کے لیے نشانِ عبرت ہے اور انگریز کی استعماریت کی سیاہ ترین مثال ہے۔ ایسے واقعات کی جدوجہد کرنے والوں کی منازل کو بدل نہ سکے۔ اس بات میں کوئی دو رائے موجود نہیں کہ اُردو زبان اپنے بچپن سے لے کر جوانی تک بے شمار قربانیاں دینے کے بعد اس مقام تک پہنچی ہے کہ جس میں زندگی سدھارنے سے لے کر قوموں کے رخ موڑنے تک والی تصانیف موجود ہیں اور آج بھی

یہ راویت چلی آ رہی ہے کہ پہلے انگریز سے نجات کے لیے اُردو ادب محوِ مشق ہے۔ احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض اور ان سے بڑھ کر حبیب جالب صاحب نظم ''دستور'' لکھ کر تاریخ میں امر ہو گئے۔ انقلاب زندہ باد کا نعرہ اسی زبان نے دیا:

لے کر رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندوستان

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ اسی زبان نے دیا۔ الغرض یہ وطن بھی ہمیں اُردو زبان کی بدولت ہی ملا۔ ہندوستان کے عوام بالعموم پاکستان کی عوام بالخصوص اس زبان کے مشکور ہیں۔ الغرض یہ بات بالکل صادق آتی ہے کہ تحریکِ آزادی دو محاذوں پر لڑی گئی ایک تلوار کے ذریعے ظالم جابر حکمران کے خلاف تو دوسری قلم پکڑ کر سوئی ہوئی عوام کے خلاف جس میں ایک کو اپنے وطن سے بھگانا مقصود تھا تو دوسرا قوم کو جگانا مقصود تھا۔ یہ ملک اور اس ملک کے افراد کو آزادی سے ہمکنار کرنے کے لیے اُردو نثر نگاروں اور ادیبوں کے ہمیشہ مشکور رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ فاروق ملک، تخلیق پاکستان، جی ایف پرنٹرز، ۲۰۱۰ء، ص:۲۲

۲۔ ناشر نقوی، تحریک آزادی میں اُردو کا حصہ، ہریانہ اُردو اکادمی، ۹۷۸ سیکٹر ۹ پنچکولہ، ص:۲۹

۳۔ رسالہ فکر و تحقیق، سہ ماہی، شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء، ص:۵۸

۴۔ گوپی چند نارنگ، ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور اُردو شاعری، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، ۲۰۰۳ء، ص:۱۲

5. Furneauxe, Massacre at Amritsar, Univeristy of Michigan, 1963, P-20

☆.....☆.....☆